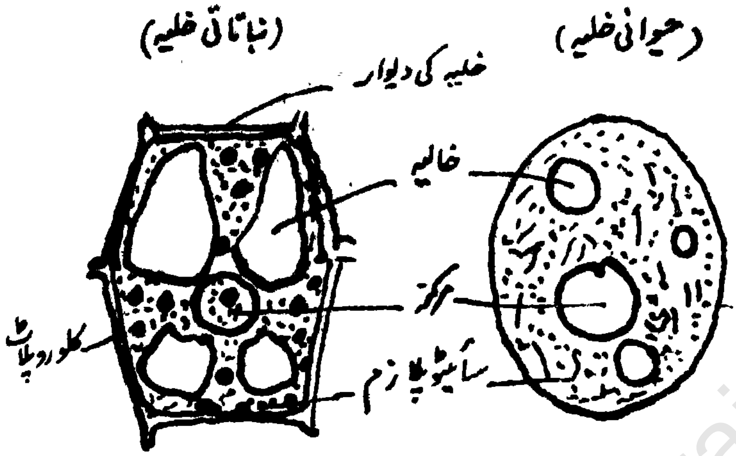

یہاں پر داہنی جانب ایک حیوانی خلیہ (ANIMAL SELL) اور بائیں جانب ایک نباتاتی خلیہ (PLANT SELL) خوردبین کی مدد سے بہت بڑا کر کے دکھایا گیا ہے۔ حیوانی خلیہ کی کوئی دیوار نہیں ہوتی۔ جبکہ نباتاتی خلیہ سیلولوز (CELLULOSE) کی ایک دیوار سے گھرا ہوا ہوتا ہے۔ نیز حیوانی خلیہ کے برعکس نباتاتی خلیہ کے سائیٹوپلازم میں کچھ ننھے ننھے سے ذرّات بھی بڑی مضبوطی کے ساتھ جڑے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان ذرّات کو کلوروپلاسٹ (CHLORO PLAST) کہا جاتا ہے اور ہرا رنگ یا کلوروفل (CHOLOR DHYLL) ان ہی ذرّات میں بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ان ہرے ذرّات کے علاوہ پروٹو پلازم کا بقیہ تمام حصہ بے رنگ دکھائی دیتا ہے۔ انہی ذرّات کو قرآن عظیم "حضراً" (شیئاً اخضر) یا سبز چیز کہتا ہے اور انہی سبز ذرّات کی بدولت پیڑ پودے ہرے بھرے نظر آتے ہیں۔

پروٹوپلازم اور سائیٹوپلازم کے درمیان فرق یہ ہے کہ کس خلیہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر موجود شدہ پورے مادے کو پروٹوپلازم کہتے ہیں۔ اس کے برعکس سائیٹوپلازم خلیہ کے صرف اُس حصہ کو کہتے ہیں جو خالیوں (VACUOLES) کے درمیان مختلف شکل و صورت اور جسامت میں پایا جاتا ہے۔ نباتات کے تمام سبز ذرّات (کلوروپلاسٹ) سائیٹوپلازم ہی کے جسم میں جڑے ہوتے ہیں۔

اب یہاں پر اس بات کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ مذکورہ بالا تمام حقائق مشاہداتی و تجرباتی نوعیت کے ہیں اور دنیائے سائنس میں اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

اہلِ علم کے لیے چار نادر تحفے

۱۔ تفسیر روح المعانی:۔ جو ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ قسط وار شائع ہو رہی ہے قیمت مصر وغیرہ کے مقابلے میں بہت کم یعنی صرف تین سو روپے

آج ہی مبلغ دس روپے پیشگی روانہ فرما کر خریدار بن جائیے اب تک ۴ جلدیں طبع ہو چکی ہیں باقی ۱۶ جلدیں جلد طبع ہو جائیں گی۔

۲۔ جلالین شریف:۔ مکمل مصری طرز پر طبع شدہ حاشیہ پر دو مستقل کتابیں (۱) لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطیؒ (۲) معرفۃ الناسخ والمنسوخ لابن الحزمؒ قیمت مجلد ۲۰ روپے

۳۔ شرح ابن عقیل:۔ الفیہ ابن مالک کی مشہور شرح جو درس نظامی میں داخل ہے۔ قیمت مجلد ۲۰ روپے

۴۔ شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی سورۂ بقرہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے پہلی جلد آ چکی ہے نمونہ طلب فرمائیے۔

پتہ:۔ ادارہ مصطفائیہ۔ دیوبند ضلع سہارنپور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد مجیب صاحب

(از نواب مشتاق احمد صاحب ایم - اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا)

دہرہ دون کے کیمبرج اسکول میں میرا داخلہ جنوری ۱۹۱۵ء میں ہوا تھا اور چونکہ بورڈنگ ہاؤس کی کشادہ اور شاندار عمارت ہی کے ایک حصہ میں تعلیمی کام بھی ہوا کرتا تھا تو اس ۱۹۱۵ء کے غالباً وسط میں ایک ایسے وقت جبکہ کلاس ہو رہی تھی اسکول کے پرنسپل آر۔ ٹی۔ ڈالبی صاحب ایک دن دو نئے لڑکوں کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک چودہری محمد اسحاق صاحب اور دوسرے محمد مجیب صاحب تھے بعد اس پتہ چلا کہ یہ دونوں۔۔۔ قریبی رشتہ دار ہیں۔ مجیب صاحب قد میں اتنے چھوٹے تھے کہ کسی معمولی سے ڈیسک پر کام کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی اسلئے انہوں نے کھڑے کھڑے اپنا کام کیا۔ ڈالبی صاحب نے کسی انگریزی کتاب میں سے ایک کہانی ان دونوں کو پڑھ کر سنائی اور ہدایت کی کہ اپنے الفاظ میں لکھ کر اسکو پیش کریں اور تشریف لے گئے اس کے بعد شام میں کسی وقت انہوں نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ یوں تو دونوں نئے لڑکوں نے اپنا کام اچھا کیا ہے۔ مگر مجیب صاحب کی عبارت بہت ہی اچھی ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ ہم جونیئر طلباء میں سب سے اچھی انگریزی مجیب صاحب کی تھی۔ الہ آباد اور پھر بمبئی میں جہاں ہم کو امتحان دینے جانا پڑتا تھا۔ مجیب صاحب کے لیے ایک چھوٹا ڈیسک بہ طور خاص مہیا کئے جانے کے واسطے پرنسپل صاحب نے پہلے ہی سے خط لکھ کر انتظام کروالیا تھا۔

انگریزی ادب کا جو چسکا مجھے پڑا وہ مجیب صاحب کی۔۔۔ اور ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی نئی خوب صورت جلدوں والی کتابوں کے پڑھنے کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ کتاب AESOP'S FABLES میں نے پہلی بار مجیب صاحب ہی سے لے کر پڑھی تھی اور اچھی اچھی کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا شوق مجیب صاحب کو شروع دن سے رہا ہے۔

اسحاق صاحب تو ہم لوگوں میں اس لیے زیادہ گھل مل گئے تھے کہ وہ میدانی کھیلوں میں ہمارے ساتھ شریک رہتے تھے اور ہاکی تو رفتہ رفتہ بہت ہی اچھی کھیلنے لگے تھے۔ فارورڈ لائن میں رائٹ ان کھیلا کرتے تھے جبکہ احمد انصاری لفٹ ان ہوتے تھے اور ہر میچ میں ان دونوں کا دو ایک گول کر آنا ان کے لیے کوئی بات ہی نہ تھی۔ فضل الرحمن احمدی صاحب ہمارے بڑے قابلِ بھروسہ گول کیپر تھے اور گوا اخلاق حسین۔ احسن محمد فاروقی۔ اللہ دیو سرد صاحبان وغیرہ بہت اچھی ہاکی کھیلتے تھے۔ ہماری ٹیم کی جان منصب علی خاں صاحب تھے جو سنٹر ہاف کھیلا کرتے تھے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ضلع سہارن پور تو درکنار اس زمانے میں دوسرے اضلاع میں بھی دور دور تک ان کی ٹکر کا شاید ہی کوئی کھلاڑی رہا ہو۔ اگر آج ہوتے تو آل انڈیا ہاکی ٹیم کے بہترین کھلاڑی مانے جاتے۔ لیکن مجیب صاحب نرے کتاب کے کیڑے تھے۔ یوں مارے باندھے کو ایک آدھ بار ہاکی اسٹک پکڑ لینا کسی شمار میں نہیں آتا۔ وہ کھیل دیکھنے کو تو برابر باہر آتے تھے اور ٹیموں کے میچ دیکھنے کو بھی ساتھ رہا کرتے تھے مگر کسی میچ میں کھلاڑی کی حیثیت سے ان کی شرکت کم سے کم مجھے تو یاد نہیں۔ البتہ پکنک وغیرہ پہ بڑے شوق سے جایا کرتے تھے اور کبھی پانی کا کوئی سفر ایسا نہیں ہوا جس میں مجیب صاحب ساتھ نہ گئے ہوں۔ حد یہ ہے کہ مسوری پہاڑ پر جانے سے بھی کبھی نہیں ہچکچائے۔ حالانکہ راجپور سے مسوری تک کی سیدھی چڑھائی ہم طلبا پیدل ہی طے کیا کرتے تھے اور یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دنوں کی بات ہے جب بس اور موٹر کار وغیرہ کی موجودہ سہولتیں حاصل نہ تھیں۔ اس سلسلہ میں وہ دن مجھے کبھی نہ بھولے گا جب ہم سب لڑکے خوش خوش بورڈنگ ہاؤس سے تانگوں میں لد کر راج پور پہنچے اور وہاں سے کھیلتے کودتے مسوری کا پورا راستہ باتوں باتوں میں پیدل طے کر گئے اور دن بھر مسوری پر مارے مارے پھرنے کے بعد اپنی سابقہ دھاچوکڑی کے ساتھ پیدل ہی مغرب کے قریب راجپور واپس آئے مگر یہاں آن کر جب پتہ چلا کہ کوئی سواری دہرہ دون لے جانے کے لیے موجود نہیں ہے تو سب کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ لیکن اب مسطح سڑک کا سات میل کا یہ راستہ پیدل طے کرنے کے سوا چارہ نہ تھا پھر یہ آخری مرحلہ جس طرح ہم سب کو کھلا ہے اس کا اظہار الفاظ میں ناممکن ہے اور جب واپس گھر کی شکل نصیب ہوئی ہے اس وقت تک بہت سے لڑکوں کے پاؤں میں چھالے آچکے تھے۔ نہ معلوم کس کا منہ دیکھ کر ہم لوگ اس دن بورڈنگ میں سوتے سے اٹھے تھے۔ واپسی گو دیر میں ہوئی تھی مگر ڈالبی صاحب حیران و پریشان کھڑے ہوئے نظر پڑے۔ انتہائی شفقت و محبت سے کھانا کھلوایا اور دوسرے دن ہم سب کو جماعت کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا مجیب صاحب کی استعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ نئی نئی زبانیں سیکھنے کا ان کو اسی زمانے سے خاص شوق تھا اپنے ساتھیوں میں اکیلا میں ہی ایسا جونیر طالب علم تھا جو گلستان، بوستان، انوار سہیلی جیسی کتابیں گھر پر پڑھ کر مدرسہ میں شریک ہوا تھا اور مجیب صاحب نے شاید وہیں آن کر فارسی شروع کی تھی۔ لیکن جب کیمبرج پرلی میزی امتحان کا نتیجہ نکلا کہ جس کے لیے ہم کو الہ آباد جانا پڑا تھا تو جہاں دوسرے لوگ صرف کامیاب ہوئے تھے وہاں مجیب صاحب کو آنرز ملے تھے اور کئی مضامین میں ڈسٹنکشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آ گئی تھی اور خاص بات یہ ہے کہ فارسی میں ان کے مارکس مجھ سے زیادہ تھے ہمارے پرنسپل ڈالبی صاحب لاطینی زبان پر جان دیتے تھے اور انہوں نے اپنی پوری کلاس پر اس زبان کو حکماً لاد دیا تھا۔ خیر اور سب تو زبردستی کی لاطینی پڑھتے تھے مگر مجیب صاحب کو اس زبان سے بھی دلچسپی پیدا ہوگئی اور انہوں نے یہ عقلمندی کی کہ موسمی تعطیلات میں جب گھر گئے تو لاطینی گرامر کا ایک نسخہ اپنے ساتھ لیتے گئے اور وہاں پر پورے قواعد کو چاٹ ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ عربی کی طرح لاطینی زبان میں بھی قواعد ہی پر بہت کچھ منحصر ہے مجیب صاحب اس زبان پر بھی حاوی ہو گئے۔ مادری زبان اردو کو ملا کر یہ چار زبانیں تھیں پھر مجیب صاحب نے آگے چل کر رفتہ رفتہ فرنچ جرمن اور روسی زبانوں پر بھی عبور حاصل کرلیا اور آج تو وہ ہفت زبانی کی منزل سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔ بہر حال ذکر لاطینی زبان کا چل رہا تھا۔ جب ڈالبی صاحب کی کوئی وضاحت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی تو میں بے تامل مجیب صاحب سے اپنی مشکل حل کر لیا کرتا تھا اور بسا اوقات ڈالبی صاحب کے مقابلہ پر مجیب صاحب کا بتلایا ہوا ترجمہ مجھے زیادہ بامحاورہ اور چست معلوم ہوتا تھا اس لاطینی گرامر کے سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک دفعہ لفظ TUTORIAL مجھے یاد نہیں رہا اور اس کی بجائے TERRITORIAL GRAMMER کے الفاظ میرے منہ سے نکلے تو مجیب صاحب نے مسکرا کر اس غلطی کی اصلاح کردی تھی۔ ایک دن کلاس میں ALLITERATION کا ذکر آگیا اور پرنسپل صاحب نے تفصیل کے ساتھ بہت سی مثالیں دے کر اس پر روشنی ڈالی تو مجیب صاحب نے اس دن سہ پہر میں جب کہ وہ آلوچے کے ایک درخت پر چڑھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے مجھے آلوچے توڑتے ہوئے دیکھا تو ایک کڑک دار آواز لگائی کہ ـــــ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

I SAY MUSHTAQ, DON'T YOU BE PLUCKING PLUMS, PLEASE. مجیب صاحب میں ایک خاص بات میں نے یہ پائی کہ وہ کسی سے زیادہ گھلتے ملنے اور بے تکلف ہونے میں پس وپیش کرتے ہیں اور بہت ہی لیے دیے رہنے کے عادی ہیں مگر اس کے ساتھ قدرت نے ان کو بڑا مرنجان مرنج قسم کا مزاج عطا فرمایا ہے۔ ہم لوگ کیمبرج اسکول میں کم وبیش چار سال تک ایک ہی بورڈنگ ہاؤس میں مقیم رہے۔ اس دوران میں ہر قسم کے واقعات پیش آئے۔ مگر میں نے مجیب صاحب کو ایک دفعہ بھی کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ ہم لوگ اکثر آپس میں لڑ بھڑ لیتے تھے اور بعض دفعہ تو مار کٹائی تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی۔ چنانچہ جالندھر کے قاضی محمود عالم باگھ صاحب سے تو تقریباً ہر تیسرے چوتھے دن میری ہاتھا پائی ہوتی رہتی تھی۔ لیکن مجیب صاحب اس کھیڑے سے ہمیشہ آزاد رہے۔ جب شروع شروع میں وہ اسکول میں داخل ہوئے ہیں تو کھانے کی لمبی میز پر اگر ان کو کسی بات پر ہنسی آجاتی تھی تو سامنے کی رکابی کھینچ لیتے تھے اور اس پر نہایت اطمینان سے مونہہ رکھ کر آہستہ آہستہ دیر تک دل کھول کر ہنستے رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد بیرا غریب پلیٹ بدلنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

مولوی محمد احمد خاں صاحب (علگیہ) ہمارے اسکول کے آنریری سکریٹری تھے اور اس کام کے سلسلہ میں تقریباً ہر مہینہ سہارن پور سے آن کر چند روز کے لیے بورڈنگ ہاؤس میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن عبدالرحمٰن صدیقی صاحب مرحوم اور شعیب قریشی صاحب مرحوم ان کے پاس دہرہ دون تشریف لائے اور بورڈنگ ہی میں ٹھیرے۔ اس دن رات میں ڈنر کے بعد جو سب ساتھ مل کر کھایا کرتے تھے، طلباء کو تقریر کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ہم سب جونیئر طلباء کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر میں تقریر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ مجیب صاحب نے بھی تقریر کی۔ موضوع غالباً فٹ بال کا کھیل تھا۔ انھوں نے رائے دی کہ فٹ بال بہت بڑی ہوتی ہے اس لیے اس کا سائز گھٹا دینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ مجیب صاحب بھلا فٹ بال کیا کھیلتے مگر شاید انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر میں کبھی اس کھیل میں شرکت کروں تو فٹ بال کے چھوٹا ہوئے بغیر ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ دوسے ہی ایک دوسرے موقع پر شاید اردو اور انگریزی پر مباحثہ ہو رہا تھا تو مجیب صاحب نے ایک انگریزی شعر جس میں DROP BY DROP کے الفاظ تک مجھے نہیں بھولے ایسے عمدہ لہجے اور انداز سے سنایا تھا کہ سارا مجمع پھڑک گیا اور بے اختیار تالیاں بجانے لگا تھا۔ مجیب صاحب عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میرے کوئی بھائی نہ تھا اور بے اختیار جی چاہتا تھا کہ کوئی مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرے اس لیے ایک دن میں نے مجیب سے کہا کہ تم مجھے اپنا بھائی بنا لو تو اس وقت سے اپنے دوسرے بڑے بھائیوں کی طرح انھوں نے مجھے بھی بھائی جان کہہ کر مخاطب کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بڑے بھائی پروفیسر حبیب صاحب کا انگریزی خط ایک خاص شان دل آویزی رکھتا ہے اور مجیب صاحب نے اسکول کے انہی دنوں میں اس طرز تحریر کی عین مین نقل کرنی شروع کر دی تھی اور اس میں اتنی مشابہت پیدا کر لی تھی کہ دیکھنے والے کو بہ یک نظر شکل سے یہ تمیز ہو سکتی تھی کہ اس میں حبیب صاحب کی تحریر کون سی ہے اور مجیب صاحب کی کون سی۔ مگر جہاں حبیب صاحب اپنی ابتدائی روش تحریر پر آخر وقت تک قائم رہے۔ وہاں مجیب صاحب نے ہفت سر ہفتاد قالب دیدہ ام کے مصداق اپنے خط کو بار بار بدلا ہے اور وہ حبیب صاحب کی روش تحریر کو آج بالکل فراموش کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری بدقسمتی سے سینئر کیمبرج کے امتحان میں جغرافیہ کا مضمون لازمی تھا۔ بمبئی میں منعقدہ اس امتحان کے موقع پر جغرافیہ کا پرچہ میرے سامنے ہے اور اس میں MADAGASCAR پر ایک سوال دیا گیا ہے۔ مجھے اس مضمون سے عمر بھر کا بیر ہے اور بندہ اس میں ہمیشہ کورا ہی رہا۔ برابر میں مجیب صاحب بیٹھے ہوئے ہیں میں نے چپکے سے دریافت کیا کہ MADAGASCAR کیا بلا ہے تو مجیب صاحب نے بلا کسی جھجک کے پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ A TRIBUTARY OF THE RIVER NILE اور میں وہی جواب ٹانک آیا۔ حسب پایہ کا یہ جواب تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ اس امتحان کی جو رپورٹ کیمبرج سے شائع ہوئی ہے اس میں اس جواب کا حوالہ موجود ہے۔ ایک دوسرے موقع پر مجیب صاحب کے والد بزرگوار جناب مولوی محمد نسیم صاحب مرحوم جو اودھ کے چوٹی کے ایڈوکیٹ مانے جاتے تھے لکھنؤ میں ڈالی باغ والے اپنے دولت کدہ میں تشریف فرما ہیں اور مجیب صاحب کے ساتھ اس وقت میں بھی حاضر ہوں۔ ممدوح مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ دہرہ دون کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے۔ میں جواب میں عرض کرتا ہوں کہ صنعت وحرفت کے لیے جاپان جانے کا خیال ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ WHAT ARE YOUR PROSPECTS IN THAT SUBJECT. جواب ملاحظہ ہو I HAVEN'T SEEN ANY PROSPECTUS AS YET. خیر وہ مرحوم ومغفور تو یہ جواب سن کر لاجواب ہو گئے مگر مجیب صاحب کے لبوں پر جو مسکراہٹ نمودار ہوئی اس سے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مجیب صاحب کے ساتھ ان کے ایک سن رسیدہ ملازم بھی دہرہ دون بھیجے گئے تھے۔ نام رمضان تھا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوربی بولی بولا کرتے تھے جو ان کے منہ سے بڑی بھلی لگتی تھی۔ بھلا اب کاہے کو زندہ ہوں گے۔

طلباء کے لیے ایک دوسرے کی کوئی چیز جھپٹ لینا کوئی بات ہی نہیں ہے پھر جب زندگی بورڈنگ ہاؤس میں گزر رہی ہو تب تو اس عادت میں بڑی صفائی آجاتی ہے اور بہت سے واقعات اس سلسلہ میں سنائے جا سکتے ہیں۔ جو دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے مگر یہاں صرف ایک واقعہ سامنے لانا کافی ہوگا مجیب صاحب ہماری کھینچا تانی اور مار دھاڑ میں گو کبھی شریک نہیں رہے مگر اس کے باوجود بورڈنگ کے احاطہ میں لیچی کے درختوں کا جو سرسبز و شاداب باغ تھا اس کی لیچیوں پر مجیب صاحب کی نظر بھی پڑتی رہتی تھی اور مالی کی نظر بچا کر ان کو توڑنے اور کھا لینے میں مجیب صاحب بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔ یہی نہیں۔ بلکہ جب دوسرے لڑکے رات کو لیچیاں توڑ کر اپنے تکیوں کے غلافوں میں بھر لیا کرتے تھے اس وقت مجیب صاحب اس لوٹ میں بھی اپنا حصہ بہت احتیاط کے ساتھ آنے پائی سے چکا لیا کرتے تھے۔ ہم طلباء میں سے کوئی بھی اپنے کانوں کو از خود جنبش دینے پر قادر نہ تھا مگر مجیب صاحب جب چاہتے تھے لمحہ دو لمحہ خاموش ہو کر اپنے دونوں کان ہلا لیا کرتے تھے۔ پتہ نہیں کان اب بھی ان کے قابو میں ہیں یا نہیں۔ مگر جہاں مجیب صاحب اپنے کانوں سے ہم کو ہرا دیا کرتے تھے وہاں میں بھی ان سب کو ہرا دیا کرتا تھا سو سے ایک تک کی گنتی ایک سانس میں الٹی گن کر۔ میرا اور مجیب صاحب کا ساتھ ڈیرہ دو دن کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی تین سال تک رہا۔ اس لیے وہاں کا بھی کچھ حال سنتے چلیے۔ گو مجیب صاحب سینیر کیمبرج امتحان میں آنرز کے ساتھ شاندار طریقہ پر کامیاب ہوئے تھے اور میں ناکام رہا تھا لیکن جب آکسفورڈ پہنچے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو پتہ چلا کہ سینیر کیمبرج کے صرف وہ طلباء وہاں کے ابتدائی امتحان RESPONSIONS نامی سے مستثنیٰ قرار پاتے ہیں جنہوں نے لاطینی زبان کے ساتھ یونانی زبان بھی لی ہو۔ چونکہ مجیب صاحب نے لاطینی کے علاوہ فارسی لی تھی اس لیے ہم دونوں کو یہ ابتدائی امتحان دینا پڑا اور دونوں نے فارسی کے ساتھ امتحان دیا اور صرف اس موقع پر فارسی زبان میں مجیب صاحب کے مارکس مجھ سے کم آئے تھے۔ اس یونیورسٹی کے ہندوستانی طلباء نے مدتوں سے اپنی ایک مجلس مباحثہ "آکسفورڈ مجلس" کے نام سے الگ قایم کر رکھی ہے۔ چنانچہ اس کا اپنا ایک دستور ہے اور عہدوں کے انتخابات جو سب آنریری ہوتے ہیں ہر سال ہوا کرتے تھے۔ میں اس مجلس کا آنریری ٹریژرر منتخب ہوا تھا۔ مگر جب مجیب صاحب کا انتخاب آنریری سکریٹری کی حیثیت سے عمل میں آیا تو ان کو مجلس کے جلسوں کی روئیداد لکھنی پڑی۔ لیکن جس دن اپنی پہلی ہی تحریر کردہ روئیداد مجیب صاحب نے پڑھ کر سنائی تو اس پر بڑی لے دے شروع ہو گئی اور ہر طرف سے اعتراضات کی بھرمار ہونے لگی۔ بات دراصل یہ تھی کہ سابق میں اس مجلس کی روئیداد ایک بڑی روکھی پھیکی اور بے جان سی چیز ہوا کرتی تھی۔ جس میں سوائے اس کے کہ فلاں مضمون پر فلاں صاحب نے اتنی دیر تک تقریر کی اور مباحثہ کا یہ نتیجہ نکلا اور شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے شاید مجیب صاحب نے خیال کیا ہوگا کہ موقع اچھا ہے۔ مقررہ ڈگر سے ہٹ کر اپنا مقام پیدا کرنا چاہیے۔ مگر وہاں اسے روشنی طبع تو بر من بلا شدی والا مضمون ہو گیا اور جو پہلی روئیداد انھوں نے لکھی اس میں اپنے مخصوص اور چلبلے انداز میں ہر ہر تقریر اور مقرر پر دل کھول کر تبصرہ کیا اور روئیداد کے صفحات پر رنگ رنگ کے پھول کھلا دیے مگر اعتراض یہ تھا کہ اس قسم کی رنگین روئیداد مجلس کی سابقہ روایات کے بالکل خلاف ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجیب صاحب نے آئی بلا کو یہ کہہ کر ٹالا کہ آئندہ سے ایسے کسی اعتراض کا موقع نہیں دیا جائے گا سابق میں میرا یہ خیال تھا کہ جو بات مجیب صاحب کی تحریر میں ہے وہ ان کی تقریر میں نہیں ہے اور اپنے اس خیال میں کسی ترمیم کی ضرورت مجھے آج بھی محسوس نہیں ہوتی۔

اگر مجیب صاحب کی نظر سے یہ سطور گزریں تو ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اسکول کے بچے کھچے چند ساتھیوں کو دہرہ دون میں جمع کرنے کی کوشش کریں اور ایک REUNION کی سی صورت نکالیں تاکہ ڈالبی صاحب مرحوم کی روح خوش ہو اور ہم لوگ بھی ایک بار پھر اس خوبصورت مقام کی زیارت کرلیں جہاں زندگی کا سب سے اچھا اور خوشگوار زمانہ گزار آئے ہیں۔ جن چودھری محمد اسحاق صاحب کا ذکر اوپر کی ابتدائی سطور میں آچکا ہے جب ان کو پتہ چلا کہ میں نے مجیب صاحب کے اسکول پر ایک مضمون لکھا ہے تو انھوں نے اس میں جو اضافہ کیا وہ ایک گروپ فوٹوگراف کے تبصرہ سے شروع ہوتا ہے جو ان دنوں کا میرے پاس محفوظ ہے اور جس کو دیکھ کر اسحاق صاحب نے بھی اپنی یاد تازہ کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ان خاتون کا نام جو مس اسمتھ کے برابر بیٹھی ہیں اور سالہائے دیرینہ میں ہماری ابتدائی جماعت کی ٹیچر تھیں مسز ڈنکن ؁ اس گروپ میں ایک نہایت مایہ ناز اور بلند اخلاق اور ہردلعزیز شخصیت ہمارے پرنسپل آر۔ ٹی۔ ڈالبی صاحب کی تھی جو کہ ہمارے ضروریات کے ہمہ وقت ساتھی اور انتہائی محبت اور خلوص سے ہم کو پڑھایا کرتے تھے اور طلبار کی ہر عمدہ بات کو سراہتے تھے۔ چنانچہ جب ایک میمن سیٹھ کے صاحبزادے پیربھائی نے خلاف وضعداری اسکول برادران ملت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے گھر سے لائے ہوئے حلوے و بادام واخروٹ وچلغوزہ جات بقدر دو ٹین کلاں تصرف جاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی میں رکھ لیے۔ خود ہی لطف اندوز ہو کر استفادہ اٹھاتے اور یارانِ طریقت کے اسرار پر ان کو سمجھا دیتے کہ پانسہ لگا ہے بعنت کا مال نہیں ہے۔ لہٰذا ایک اتوار کی صبح جب پیر بھائی سویرے کی تازگی میں چہل قدمی فرما رہے تھے اور ایک مخلص نے ان کے کان میں چپکے سے کہا کہ باغ کے فلاں گوشہ میں تمہارا قفل وکٹ کی نوک سے توڑ کر مالِ غنیمت تمام برادری میں تقسیم ہو رہا ہے۔ تو پیر بھائی وہاں سے اڑے اور اڑ کر انہوں نے دیکھا کہ وہی دونوں ٹین کلاں جو اپنے تکلفات سے بھرپور بھوپے نہیں سماتے تھے وہ آج اوندھے منہ بائے پڑے ہیں اور خاکساران اسکول کے منہ قوت شیرینی سے غیر معمولی متحرک ہیں۔ تو پیر بھائی کے جذبات ابل پڑے اور ہماری سب کی طرف گھونسا دکھاتے ہوئے جناب پرنسپل آر۔ ٹی۔ ڈابی کی خدمت میں لپک کر حاضر ہوئے۔ اور قصہ بیان کر ڈالا۔ طلبی ہوئی معاملہ پوچھا گیا۔ سب خاموش کھڑے رہے۔ پھر مجیب سے اور مجھ سے پوچھا گیا مجیب نے کہا:۔

"SIR, IF YOU DON'T GET ANGRY, WE WILL TELL YOU EVERYTHING.

پرنسپل صاحب نے سنا اور خوش ہوئے اور مجیب کی اور ہم سب کی پیٹھ ٹھونکی۔ اور پیر بھائی کو ان کی پیرانہ سالی پر سخت ملامت کی۔

یہ تو مشتاق احمد صاحب نے اپنے مضمون میں ظاہر کر دیا ہوگا کہ ہمارے اس اسکول کی ابتدا مسعود عباسی اور محمد احمد صاحبان نے کی تھی۔ مسعود عباسی صاحب انجینئر تھے اور بعد کو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے علی گڑھ میں شعبۂ تعمیرات کے خاص آدمی رہے اور محمد احمد صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھوپال میں ڈسٹرکٹ اور سیشن جج ہو گئے تھے۔ ان دونوں اور ڈالبی صاحب سے نہیں بنی اور ڈالبی صاحب نے جب استعفیٰ کی دھمکی دی تو یہ دونوں وہاں سے ۱۹۱۶ء ہی میں علیحدہ ہو گئے۔ ۱۹۱۶ء میں طلباء کی تعداد بارہ تھی جو کہ پھر چودہ ہو گئی اور ۱۹۱۸ء میں جب وقت کہ ہم ماہ دسمبر میں سینیئر کیمبرج کا امتحان دینے بمبئی گئے تو کل تعداد تیئس ہو گئی تھی۔ اس سال امتحان کا سینٹر بمبئی تھا۔

اگرچہ ہمارے اسکول میں اساتذہ کی کمی تھی۔ اور سینیئر کیمبرج کی تیاری کے لیے اول و آخر زیادہ تر ڈالبی صاحب ہی تھے۔ جب کہ ابتدائی کلاس کے لیے مس اسمتھ اور مسز ڈنکن اور ایک مسٹر جان بھی تھے۔ یہ مسٹر جان ایک غیر معمولی شخص تھے اور کلاس ختم ہوتے ہی ان کا بیشتر وقت تتلیاں پکڑنے میں صرف ہوتا تھا۔ وہ اپنی مونچھوں کی نوکیں درست کر کے اور DODGER ہاتھ میں لے کر اسکول کمپاؤنڈ اور باغ میں نکل جاتے اور بہت جاں فشانی اور محنت سے تتلیوں کو پکڑتے اور ایک خاص لکڑی کے تتلی بکس میں آرائش کے لحاظ سے قطار در قطار بے چاریوں کو پن کر دیتے۔ پھر ہم لوگوں کے سامنے بکس کھول کر رکھ دیتے اور ہم مودبانہ حیرت سے ان سے پوچھتے SIR, THIS BLUE ONE HERE WITH EGG SPOTS? اور وہ بتلاتے THIS IS EGGY. اور یہ دیکھنا کتنا چھوٹا خوبصورت ہے۔ THIS IS LADY'S FANCY اور یہ دیکھو ادھر بالکل OAK کی پتی کا مانند اور پر کھولتا ہے تو کتنا اچھا سنہرا رنگ MAGNIFICENT THIS IS BIG OAK LEAF. اور اسکے پیچھے UNDER THAT BIG CAMPHER TREE میں تین دن ستی رہا تب کہیں یہ ہاتھ آئی THE SWIFTEST BUTTERFLY BLUE BOTTLE وغیرہ وغیرہ ان کا COLECTION نہایت حسین اور دلفریب تھا اور وہ تتلی نواز تھے اور فن تتلی بازی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ماہر، مسٹر جان نے تتلی بازی کی وبا لڑکوں میں بھی پھیلادی تھی۔ اور کئی لڑکوں کے پاس خود اپنا DODGER تھا۔ اور اکثر دوپہر کی چھٹی میں وہ بھی اس ظالمانہ کھیل میں مبتلا رہتے تھے۔

مسٹر جان کے علاوہ ہمارے اسکول میں ایک ڈرائنگ ماسٹر صاحب بمبئی سے بلائے گئے تھے، جہاں تک خیال ہے ان کا نام عبدالقادر صاحب تھا۔ یہ تصویر کشی میں اس وقت کے اسکولی قدروں کے لحاظ سے کافی اچھے تھے اور وہ بمبئی سے ایک بڑا بنڈل بیڑی کا منگوا لیتے تھے جو ایک یا دو ماہ کے لیے کافی ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں لوگ یوپی میں بیڑی کے نام سے بھی واقف نہ تھے جس طرح جان صاحب کا تفریحی مشغلہ تتلیات تھیں اسی طرح عبدالقادر صاحب کا بیشتر وقت PENCIL SKETCHING میں میں گزرتا تھا۔ تصویروں کا مضمون سادہ اور مرغیوں پر محدود، مرغ اور مرغیوں کے منفاری جذبات کے مناظر اور ان کے ناز اور اداؤں کی عکاسی کرتے کرتے ان کا ایک چھوٹا موٹا ALBUM تیار ہوگیا تھا اس البم کو وہ کھولتے اور اپنے شاہکار کی حسین مرغی اور ایک انداز سے کھڑے مرغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم لوگوں کو اپنا آرٹ تفصیل سے سمجھاتے اور داد طلب ہوتے اور ہم لوگ اس فراخ دلی سے انکی تعریفیں کرتے کہ وہ فوراً اپنی پرانی بیڑی پھینک کر ایک نئی بیڑی سلگا لیتے۔ سینئر اسٹاف میں کچھ دنوں شعیب قریشی صاحب نے تاریخ پڑھائی۔ جو بعد کو سفیر روس پاکستان کے ہوگئے تھے اور فارسی اور دینیات کے ایک دیوبند کے معمر مولوی صاحب تھے۔ لیکن ان کو غصہ زیادہ آتا تھا۔ چنانچہ جب لڑکوں نے ایک بار ان سے پوچھا کہ جناب اسلام میں سود لینا کیوں ناجائز ہے تو مولوی صاحب کو تاؤ آ گیا اور ڈنڈے پر ہاتھ رکھ کر بولے کہ نالائقو تم کو یہ نہیں معلوم کہ سود لینا نہایت زبردست گناہ ہے لیکن یہ چند ماہ رہے اور ان کی جگہ ایک مرہٹے مسمی PANIKAR شاید M.A. IN PERSIAN کچھ زمانہ تک فارسی تدریس کرتے رہے۔ مجھ کو اکثر خیال آیا کہ بعد کو یہ PANIKAR وہی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو انڈیا گورنمنٹ کی طرف سے سفیر ایران اور مصر مقرر ہوئے تھے اور LINGUIST مشہور تھے۔ مگر ان کے متعلق پروفیسر مجیب زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

ہمارے پرنسپل صاحب کافی سخت تھے اور اسکول کا انتظام اچھا تھا۔ اور تعلیم ایک باقاعدہ اور ڈھنگ سے ہوتی تھی۔ اور کلاس ورک اور ہوم ورک میں بڑی ضابطگی سے کام لیا جاتا تھا تعلیم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہمارا BATCH جو بمبئی امتحان دینے گیا وہ چھ لڑکوں پر مشتمل تھا۔ ان میں ہم پانچ پاس ہوئے اور ان پاس ہونے والوں میں ایک بزرگ میں جنکو پانچ مضامین میں DISTINCTION ملا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پرنسپل صاحب مجیب کو زیادہ مانتے تھے۔ مسٹر ڈالی جس طرح پڑھائی پر بہت زور دیتے اسی طرح SPORTS کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ اسپورٹس میں فٹ بال۔ کرکٹ، ٹینس اور پنگ پانگ سب ہی کچھ مہیا تھے اور اتوار کو ران سواری کے لیے گھوڑے کرایہ پر راج پور سے آجاتے تھے اور ایک کوچ بھی آتا تھا۔ اور ٹینس میں ایک بار سینیئر اور جونیئر ٹورنمنٹ بھی ہوا۔ لیکن دہرہ دون میں ہمارے اسکول نے ہاکی میں ایک خاص شہرت حاصل کر لی تھی اور باوجود قلیل تعداد کے ہم نے ایک ٹیم بنا لی تھی۔ جس نے بعد کو کافی نام پیدا کیا۔ پرنسپل صاحب کی رہنمائی سے دہرہ دون کے وسیع میدان میں گرجے کے سامنے ہم کو ایک ہاکی کی فیلڈ مل گئی۔ کچھ دنوں کی پریکٹس کے بعد دہرہ دون کے اے پی مشن اسکول کی ہاکی الیون کو ہم نے چیلنج کیا۔ یہ دہرہ دون کی سب سے مضبوط ٹیم تھی اور ہم نے ۸۔۔ سے شکست کھائی۔ دوسرے ہفتہ ڈی۔ اے وی کالج سے میچ ہوا۔ اور ہم نے ۲۔۔ سے شکست کھائی۔ لیکن جب تیسرا RETURN میچ مشن اسکول سے ہوا تو ہمارے اسکول نے ۔۔۴ سے فتح پائی۔ پرنسپل صاحب کو ہمارے اسکول کا اتنا خیال رہتا تھا کہ ان کو جب خبر ملی کہ ہماری ٹیم کامیابی سے کھیل رہی ہے تو ہاف ٹائم ختم ہونے سے پہلے ہی فیلڈ پر پہنچ گئے اور اپنے اسکول کی جیت سے اس قدر خوش ہوئے۔ کہ ایک دن کی چھٹی ملی۔ اور ایک تھیٹر آیا ہوا تھا اس میں جانے کی اجازت ملی اس کے بعد ہماری ٹیم کا ریکارڈ ہے کہ کسی

© rasailojaraid.com